۱۔　پاور انرجی کا حصول اور لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ

۲۔　معاشی استحکام

۳۔　طالبان سے مذاکرات اور دہشت گردی کا خاتمہ

حقیقتاً یہ تینوں اہم ترین مسائل ہیں۔ اگر ملک پاور انرجی کے حصول میں خود کفیل اور لوڈ شیڈنگ ختم ہو جاتی ہے تو لازمی طور پر صنعتی بحران ختم ہوگا، بند یونٹ چلنے لگیں گے اور معاشی استحکام پیدا ہوگا۔ اس سلسلے میں چین کے تعاون کی پیش کش سے استفادہ اوّلین ترجیح ہونی چاہیے۔

طالبان سے مذاکرات اور دہشت گردی کا خاتمہ نہایت اہم اور نازک ترین مسئلہ ہے۔ جسے حل کرنے کے لیے نواز شریف نے مذاکرات کا عندیہ دیا ہے۔ نتیجتاً دہشت گردی کے واقعات میں بہت زیادہ کمی واقع ہوئی۔ لوڈ شیڈنگ اور دہشت گردی کے مسائل سابق حکومت بھی حل کر سکتی تھی لیکن انہوں نے تمام مسائل کے حل نہ ہونے کی ذمہ داری سابق حکومت پر ڈال کر پانچ سال پور کر لیے۔ خصوصاً سابق وزیر داخلہ مسٹر عبدالرحمٰن ملک دہشت گردی کے ہر واقعے کو طالبان کے کھاتے میں ڈال کر سرخرو ہوتے رہے۔ اور سابق وزیر اعظم گیلانی بجلی کے بحران کا ذمہ دار نواز شریف کو قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ راجہ رینٹل پاور چپ سادھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دہشت گردی کے حوالے سے نوائے وقت میں صفحہ اوّل پر شائع ہونے والی ایک خبر نے چونکا دیا ہے جو نئی حکومت کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے۔

''فیصل آباد میں گرفتار عیسائی گروہ طالبان کا نام استعمال کر رہا تھا''

(لاہور، خصوصی رپورٹ) پاکستان میں دہشت گردی کے عفریت کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے۔ ''اُمّت'' رپورٹ کے مطابق ایسی ہی ایک واردات فیصل آباد میں ہوئی جس میں ایک مسیحی نوجوان بارودی مواد پھٹنے سے مارا گیا اور اس کے 2 ساتھی گرفتار کر لیے گئے۔ دورانِ تفتیش معلوم ہوا کہ فیصل آباد میں گرفتار عیسائی گروہ طالبان اور لشکر جھنگوی کا نام استعمال کرتے تھے۔ 3 ملزمان نے پادری قیصر شان کو طالبان کے نام سے خط لکھا پھر فون پر قتل کی دھمکی دے کر 10 لاکھ روپے طلب کیے۔ خوفزدہ کرنے کے لیے گھر پر دھماکہ کرنے جا رہے تھے کہ بارودی مواد موٹر سائیکل پر پھٹ گیا۔ دو برس میں شہر کے تاجروں سے 20 کروڑ روپے بھتہ وصول کیا جا چکا ہے۔ (نوائے وقت، ملتان، ۲۵ رمئی ۲۰۱۳ء)

نواز شریف کو دہشت گردی کے خاتمے کے لیے طالبان سے مذاکرات ضرور کرنے چاہئیں۔ ڈرون حملوں کو رکوانے کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھائے جائیں۔ قوم کو مسٹر نواز شریف کی نئی حکومت سے بہت ساری نئی توقعات ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ اپنے دعووں کے مطابق مختصر کابینہ کے ساتھ اپنے ایجنڈے کو ترجیحی بنیادی پر مکمل کریں گے۔ اور اپنے اہداف حاصل کر کے ملک میں امن و سلامتی اور معاشی و سیاسی استحکام کا ذریعہ بنیں گے۔ ورنہ خود انہی کے بقول: ''اگر یہ مسائل حل نہ کیے تو ہمارا حشر بھی پیپلز پارٹی جیسا ہوگا'' کے مصداق بن جائیں گے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

انتخاب خلفائے خمسہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکر تا حضرت حسن پانچوں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریق انتخاب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

(اولاً) ہر ایک کا طریق انتخاب ایک دوسرے سے جدا تھا اور ایسی کوئی ایک معین شکل نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ ان کا انتخاب اس کے اندر محصور تھا۔

(ثانیاً) مذکورہ خلفاء میں سے کوئی بھی اس معنی میں عوامی مشاورت اور آزادانہ رائے سے خلیفہ نہ بنا تھا جس عوامی مشاورت اور آزادانہ رائے کو آج کل جمہوریت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے بارے میں بدوؤں، مدینہ میں آنے والے قافلوں میں شریک حضرات، امرائے عساکر اور خواتین و بچوں سمیت باشندگانِ مدینہ کی آراء معلوم کی گئی تھیں۔

(ثالثاً) ان سب خلفاء میں یہ چیز قدر مشترک تھی کہ ان کی خلافتیں تعجیلاً و تاخیراً یا بعد از مصالحت برضا و رغبت پوری مملکت اسلامیہ میں قبول کی گئیں۔ اس معنی میں انہیں عوامی خلفاء کا نام دیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جس مجلس میں انتخاب کیا گیا تھا اس میں مدینے کے تمام عوام تو کجا پورے خواص بھی جمع نہ تھے وہ کل مجلس محض چند انصار اور تین چار مہاجرین پر مشتمل تھی۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل حل و عقد کی مشاورت کے بغیر نہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا بلکہ فوری طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر لی۔

انعقاد خلافت کے بعد دوسرے روز بیعت عامہ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تک کو اس بات کا شکوہ رہا کہ انہیں مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق چھ ماہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی عوام کی آزادانہ رائے کے بغیر خلیفۂ وقت کی ذاتی مرضی اور صوابدید کے مطابق عمل میں آیا تھا۔ اس سلسلہ میں جن چند حضرات سے مشاورت کی گئی تھی تو اسے ہرگز استصواب عام نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی صورت پہلے دونوں خلفاء سے مختلف ہے جو بالواسطہ نامزدگی کی ہی ایک صورت ہے۔ خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے خلافت کے لئے چھ حضرات کو نامزد فرمایا کہ یہ حضرات صرف اپنے میں سے ہی بالاتفاق یا کثرت رائے سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر دیں اور اس کے لئے انہوں نے کسی آزادانہ رائے یا عوامی مشاورت کو ضروری خیال نہیں کیا۔ اگر اسے ضروری خیال کرتے تو خود ہی چھ امیدواروں کو نامزد نہ

کرتے بلکہ اس کام کو عوام کی مرضی پر چھوڑ دیتے۔ نیز اگر انہوں نے یہ امیدوار نامزد کر ہی دیئے تھے تو پھر یہ طریقہ کار اختیار کرتے کہ ان چھ امیدواروں کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے پھر جس کے حق میں عوامی ووٹ زیادہ ہوں اسے خلیفہ منتخب کر لیا جائے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہوں نے انتخابِ خلیفہ کا تمام تر معاملہ صرف ان ہی چھے حضرات کے سپرد کر دیا۔ ان کے علاوہ کسی اور کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک ساتویں آدمی تھے جنہیں امیدواری کی دوڑ سے خارج کر کے ان سے صرف مشاورت کی اجازت دی گئی تھی یا امیدواروں کے حق میں ووٹ برابر ہونے کی صورت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ووٹ دینے کی اجازت حاصل تھی۔ علاوہ ازیں مشاورت کا یہ طرزِ عمل بھی قابلِ غور ہے کہ تین امیدوار خود اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میں سے جو دست بردار ہونا چاہے تو خلیفہ کی تقرری کا اختیار اسے دیا جاتا ہے لیکن ان دونوں نے خاموشی اختیار کر لی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خود دست بردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح خلیفہ کی نامزدگی کا اختیار صرف حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے بھی کوئی ایک دست بردار ہو جاتا تو باقی رہنے والا امیدوار بغیر کسی ووٹنگ کے خود بخود خلیفہ بن جاتا۔ اگرچہ خلیفہ کی نامزدگی کا اختیار اب صرف ایک شخص کے ہاتھ میں آ گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے ذاتی اجتہاد اور تقویٰ واخلاص کی بناء پر رائے عامہ کو بھی اس میں شریک کر لیا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت کا فیصلہ صادر کر دیا۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جانشین کی نامزدگی سے متعلق درخواست کی گئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آج ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ یا سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو ضرور انہیں اپنا جانشین نامزد کر جاتا۔

جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس لئے نامزد نہیں کیا گیا کہ ان کے نزدیک خلافت کا بوجھ اٹھانے کے لئے خاندان عمر رضی اللہ عنہ میں سے ایک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی کافی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو وہی ترتیب اور تجویز تھی جو سقیفہ بنی ساعدہ میں سامنے آئی تھی۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کے سامنے یہ فرمایا کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ موجود ہیں ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی تجویز کے مطابق اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا۔

ظاہر ہے کہ پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نمبر تھا لیکن وہ عہد خلافتِ فاروق رضی اللہ عنہ میں وفات پا گئے تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر آج ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ

ہوتے تو کسی چھ رکنی انتخابی کمیٹی کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی میں انہیں ضرور خلیفہ نامزد کر جاتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایک مرتبہ لوگوں نے ان کی علالت کے پیش نظر خلیفہ نامزد کرنے کی درخواست کی تھی۔

چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں یہ روایت لائے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک سال نکسیر کی وبا پھیل گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شدت سے نکسیر پھوٹی حتیٰ کہ آپ حج کو بھی نہ جاسکے اور وصیت بھی کر دی۔ ان ہی ایام میں قبیلہ قریش کا ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

استخلف فقال: وقالوہ: قال نعم. قال ومن؟ فسکت. فدخل علیه رجل آخر احسبه الحارث فقال:

استخلف. فقال عثمان وقالوا. فقال نعم. قال ومن هو؟ قال فسکت قال فلعلهم قالو الزبیر قال نعم.

قال اما والذی نفسی بیده انه لخیرهم ما علمت وان کان لأحبهم الی رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم.

آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا لوگ ایسا کہتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کس کو (یہ لوگ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں)؟ تو وہ خاموش ہو گیا۔

پھر ایک اور شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے بھی کہا: آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیا لوگ ایسا کہتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا (وہ) کس کو (خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟) اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید وہ زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہوں گے؟ اس نے کہا: ہاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے علم کے مطابق وہ ان میں سب سے بہتر ہیں اور وہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب: مناقب الزبیر بن العوام۔ رقم الحدیث: ۳۷۱۷)

اس سے اگلی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خلیفہ کی نامزدگی سے متعلق درخواست کرتے ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما واللّٰه انکم لتعلمون انه خیرکم ثلاثا.

اللہ کی قسم تم بھی جانتے ہو کہ وہ تم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کو تین دفعہ دہرایا۔ (حوالہ مذکور۔ رقم الحدیث ۳۷۱۸)

مترجم بخاری علامہ وحید الزمان نے اس حدیث پر یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے لکھ کر اپنے منشی کے پاس وہ کاغذ رکھوا دیا تھا مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی زندگی میں ہی ۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی اہل تر آدمی موجود ہوتا تو نامزدگی کو نہ تو خلفائے راشدین ناجائز سمجھتے تھے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آخری وقت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے کو کہا گیا تو آپ نے نہ تو یہ فرمایا کہ استخلاف ناپسندیدہ یا ناجائز کام ہے اور نہ ہی یہ فرمایا کہ باپ کے بعد بیٹا کیونکر نامزد کیا جاسکتا ہے۔ جب حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو انہوں نے فقط یہ فرمایا: نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے منع کرتا ہوں تم لوگ اچھی طرح خود غور کر سکتے ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''کسی خلیفہ اور امام کی خلافت وامامت اہل سنت کے نزدیک یا تو اہل حل وعقد علمائے اہل عدل واہل الرائے کے اختیار وانتخاب سے ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔ یا امام سابق کی نامزدگی اور معین کرنے سے خلافت ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نامزد کرنے سے ثابت ہوئی۔'' (شرح فقہ اکبر)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں تقرر امام وخلیفہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کسی کو معین ونامزد کر دے اور اس کے جواز پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔'' (**النبراس شرح لشرح العقائد**، ص:۵۲۸)

قاضی ابویعلیٰ محمد بن حسین الفراء رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''خلیفہ کے لئے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے اس معاملہ میں ارباب حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔'' (**الاحکام السلطانیہ تحت فصول فی الامامۃ**، ص:۹)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہوسکتا ہے، ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل وصحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز اور منع نہیں ہے۔'' (**الفصل فی الملل و النحل ، جلد۴، ص:۱۶۹**)

اسوہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور علما سلف کی تصریحات کے مطابق خلیفہ عادل اور راشد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیانتاً اُمت کی خیر خواہی کے پیشِ نظر خلافت کے اہل کسی شخص کو اہل حل وعقد کی موجودگی کے بغیر بھی نامزد کرسکتا ہے اور یہ صورت صرف جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے اور دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا بھی خلیفہ بن سکتا ہے جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو متفقہ طور پر خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

اور تیسرا یہ کہ باپ اگر خود اپنے بیٹے کو نامزد کردے بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو تو یہ بھی کوئی گناہ کی بات نہیں بلکہ جائز ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اب اس بات کا جائزہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کس طریقے سے منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

انتخاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:

چوتھا طریقہ (انعقاد خلافت کا) استیلاء ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب خلیفہ کی وفات ہوجائے اور کوئی شخص بغیر (اہل حل وعقد کے) بیعت کیئے ہوئے اور بغیر (خلیفہ سابق کے) استخلاف کے خلافت کو لے لے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ وجبر سے اپنے ساتھ کرلے (تو یہ شخص) خلیفہ ہوجائے گا اور اس کا جو فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس کی بجا آوری سب لوگوں پر لازم ہوگی۔

اور اس (چوتھے طریقے) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ استیلاء کرنے والا (خلافت کی) شرطوں کو جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے (صرف) صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو (مزاحمت سے) باز رکھے۔ یہ قسم عندالضرورت جائز ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انعقاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کرلینے کے بعد اسی طرح سے ہوا تھا۔ (**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد اول ص ۲۴۔۲۵**)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

درحقیقت چاروں خلفاء اس معاملہ میں بالکل یکساں تھے کہ ان کی خلافت دی ہوئی خلافت تھی نہ کہ لی ہوئی خلافت۔ ملوکیت کا آغاز اسی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے بلکہ اس کے معنی خون ریزی و بدنظمی کے تھے۔ جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی۔ اسی لیے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری (ربیع الاول ۴۱ھ) کے بعد تمام صحابہ وتابعین اور صلحائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اور اس کو عام الجماعت اس بناء پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی تو ختم ہوئی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۵۸)

موصوف، شیعہ رہنما سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ کے مکان ۱۴ ٹمپل روڈ لاہور میں بعنوان ''علی کا راستہ، حسین کا راستہ'' خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ بغیر رضا مندی عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ (شہادت حسین کا حقیقی مقصد ص ۲۳)

اس عبارت کو بار بار پڑھیے یقین نہیں آتا کہ یہ مودودی صاحب جیسے صاحب علم اور مفکر اسلام کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تو ان کے قلم وزبان سے اکثر بغض وعداوت ٹپکتی ہی رہتی ہے لیکن مذکورہ عبارت میں تو انہوں نے حضرات حسنین سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور صلحائے امت رحمہم اللہ کی بھی توہین کر ڈالی۔

کیا صحابہ کی رضامندی کے بغیر مسند خلافت پر قدم رکھا جاسکتا تھا؟ کیا صحابہ کرام اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم نے ڈر کر یا مجبور ہو کر بیعت کی تھی؟ دراصل مودودی صاحب نے یہ نظریہ خوارج سے مستعار لیا ہے۔ مصر کے مشہور مؤرخ علامہ محمد الخضری لکھتے ہیں کہ:

(خوارج کے نزدیک) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کیا۔ مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر اقتدار وغلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے برأت یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں۔ (تاریخ التشریح الاسلامی ص ۱۹۴، ۲۳۷۔ مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی)

سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس کے ساتھ لڑ کر خلافت حاصل کی؟ جنگ صفین میں انہوں نے

اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی پھر اس جنگ کے بارے میں بھی متفقہ رائے یہ ہے کہ وہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلہ پر لڑی گئی نہ کہ مسئلہ خلافت پر۔ خلیفہ تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد بنے اور وہ بھی بغیر لڑے بھڑے۔ اگر ارادۂ جنگ ثابت کر بھی دیا جائے تو اس میں بھی دفاعی پہلو ہی سامنے آئے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد کی لشکر کشی کے جواب میں اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نقل وحرکت کی اطلاع جوں ہی لشکر حسن رضی اللہ عنہ میں پہنچی تو اس میں بھگدڑ مچ گئی اور انہوں نے آپس میں ہی لوٹ مار شروع کر دی۔ حتیٰ کہ اپنے امام اور خلیفہ کو بھی زخمی کر دیا اس رویے سے بددل ہو کر اور امت کی خیر خواہی کے پیش نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ان کے حق میں کسی جبر واکراہ کے بغیر اور برضا ورغبت نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کی بلکہ ان کے ہاتھ پر اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کر لی۔

تاریخ کے کسی کونے کھدرے سے بھی یہ بات نہیں دکھائی جا سکتی کہ اس عمل بیعت اور انتقالِ اقتدار میں کسی اشتر، کسی حکیم بن جبلہ اور کسی غافقی بن حرب نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت پر مجبور کیا ہو۔ صلح کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تڑپ، مراسلت، مشاورت، مذاکرات اور بالآخر شرائط کے لیے سادہ ومختوم کاغذ فریق مخالف کے پاس بھیجنا خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل نہیں کی۔

کیا کسی فریق مخالف کو جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی دھمکی سے صلح نہیں بلکہ جنگ ہی ہوتی ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تنہا اور کمزور تو نہیں تھے۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار کی تعداد میں ایک لشکر جرار موجود تھا۔ پھر ایسے حالات میں ان کے ساتھ لڑ کر خلافت کیوں کر حاصل کی جا سکتی تھی؟

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تھے تو اب سوال یہ ہے کہ انہیں خلیفہ کس نے منتخب کیا تھا؟ بقول مودودی صاحب ''مسلمانوں نے تو انہیں خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ ہی مسلمان ان کی خلافت پر راضی تھے'' تو کیا کافروں کی رضامندی سے وہ خلیفہ بنے تھے؟ کیا رومیوں اور عیسائیوں نے انہیں خلیفہ مقرر کیا تھا؟ کیا وہ غیر مسلموں کے خلیفہ تھے؟ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ مسلمان انہیں خلیفہ نہ بنانا چاہیں اور نہ ہی ان کی خلافت پر راضی ہوں مگر پھر بھی وہ بزور خلیفہ بن جائیں؟

پھر یہ بات بھی قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے کہ مکہ کے ایک باشندے کے پاس شام کے علاقے میں بیٹھ کر اس قدر قوت اور طاقت آ گئی تھی جس نے تمام صحابہ وتابعین اور صلحائے امت کو بیعت کرنے پر مجبور کر دیا تھا؟

کیا مسلمانوں کے تعاون کے بغیر بھی کسی اسلامی مملکت پر بزور وجبر قبضہ کیا جا سکتا ہے؟

کسی ملک وسلطنت کی امارت تو رہنے دیجیے۔ کیا جماعت اسلامی کی امارت بھی ایسے بھونڈے طریقے سے

حاصل کی جاسکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب بطریق ''استیلاء'' ہرگز نہیں ہوا بلکہ پوری مملکت اسلامی کے نمائندہ اہل حل وعقد اور صحابہ وتابعین اور صلحائے امت کے برضا ورغبت بیعت کر لینے کی وجہ سے عمل میں آیا اور اس قسم کی مشاورت اور عام استصواب کی مثال گذشتہ پانچوں خلفاء کے طریق انتخاب میں نہیں ملتی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کیوں دست بردار ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس طرح خلیفہ منتخب ہوئے؟ اسے سمجھنے کے لئے صحیح بخاری کی حسب ذیل روایت ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

اللہ کی قسم حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ فوج مخالفین کو شکست دیئے بغیر پیٹھ نہ موڑے گی۔

یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جو ان دونوں (عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ) میں بہتر تھا کہ اگر انہوں نے انہیں مارا یا انہوں نے انہیں مارا، آخر اس خون ریزی کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور ان کی عورتوں اور بچوں کی کون خبر گیری کرے گا؟'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو قریشی آدمیوں کو جن کا تعلق قبیلہ بنی عبدشمس سے تھا اور جن کا نام عبدالرحمٰن بن سمر رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن عامر تھا بلایا اور ان سے کہا کہ ''تم جا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی بات کرو اور انہیں صلح کی دعوت دو اور وہ جو کہیں مان لو۔''

غرض یہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور گفتگو کی اور صلح کے طلب گار ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں ہم نے تو اس مال سے تکلیف ہی اٹھائی ہے لیکن یہ جماعت خون ریزی میں مبتلا ہو چکی ہے (ان کو تو مال دے کر ہی خون ریزی سے روکا جاسکتا ہے ورنہ یہ پھر کوئی فتنہ اٹھائیں گے) تو وہ دونوں کہنے لگے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا اتنا مال دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں جو شرائط آپ چاہیں منظور کر سکتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بات کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ ان دونوں نے کہا: ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرط بھی رکھی ان دونوں نے کہا ہم اس کے ذمہ دار ہیں الغرض حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے۔

ان ابنی ھذا سید لعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین.

میرا یہ بیٹا (نواسہ) سردار ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے۔

(صحیح بخاری. کتاب الصلح باب قول النبی ﷺ للحسن بن علیؓ ابنی هذا سید...... رقم الحدیث ۲۷۰۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور بیعت کے بعد اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ ہو گئے۔ تمام صحابہ و تابعین نے برضا و رغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس طرح امت مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار کا دور ختم ہو کر امن وسلامتی میں تبدیل ہو گیا۔ ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا اور اس بات کی خوشی منائی گئی کہ اب مملکت اسلامی کا ہر مسلمان ایک اللہ، ایک رسول، ایک کتاب، ایک کعبہ، ایک دار الخلافہ اور ایک ہی خلیفہ سے وابستہ ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کر لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا اور یہ واقعہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے پس اس سال کا نام ہی عام الجماعت رکھا گیا۔

امام اوزاعی نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا لیکن کسی نے بھی نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ ہی جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔ (استیعاب علی الاصابہ جلد۳ ص ۳۹۸، ۴۰۰)

یہاں تک کہ غیر جانب دار صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳)

محدث ابن حجر الہیتمی المکی م ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کہ:

غور کیجئے کہ رسول اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بننے کی جو بشارت دی اور انہیں احسان کرنے کا حکم دیا، یہ حدیث ان کی خلافت کی صحت اور اس کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد وہ اس کے مستحق تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں احسان کا حکم دینا اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی حکومت و خلافت حق تھی، ان کے تصرفات بھی حق تھے اور ان کے احکامات بھی خلافت کے صحیح ہونے کی وجہ سے درست تھے۔

لامن حيث التغلب لأن المتغلب فاسق معاقب لا يستحق ان يبشر ولا أن يؤمر بالاحسان فيما تغلب عليه بل انما يستحق الزجر والمقت والاعلام بقبيح افعاله و فساد احواله.

فلو كان معاوية متغلبا لأ شار له ﷺ الى ذلک او صرح له به فلما لم يشر له فضلاً عن ان يصرح الا بما يدل علیٰ حقية ما هو عليه. علمنا انه بعد نزول الحسن له خليفة حق و امام صدق.

یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف اس لئے فرمائی کہ وہ بزور خلیفہ بن جائیں گے کیونکہ

زبردستی خلیفہ بننے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ اسے خوش خبری کا حق دار سمجھا جائے اور نہ ہی ایسے کو احسان کا حکم دیا جاتا ہے بلکہ وہ توزجر اور سزا کا حق دار ہوتا ہے اور برے کاموں اور کرتوتوں کی بناء پر اس کی تشہیر ضروری ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زبردستی خلیفہ بنے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف ضرور اشارہ فرماتے یا اس کی تصریح فرمادیتے اور جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ نہ فرمایا چہ جائیکہ کوئی تصریح ملے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کے حق ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دست بردار ہونے کے بعد وہی خلیفہ برحق اور امام صدق تھے۔

(الصواعق المحرقة فی الرد علیٰ اھل البدع والزندقة ص۲۱۹ مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ:

واما خلافة معاویة بن ابی سفیان فثابتة صحیحة بعد موت علیؓ وبعد خلع الحسن بنعلیؓ نفسه عن الخلافة وتسلیمها الیٰ معاویةؓ. (غنیة الطالبین ص ۱۹۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت شہادت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دست بردار ہو جانے اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دینے کی وجہ سے ثابت اور صحیح ہے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''عام الجماعۃ'' میں مدینہ منورہ آئے تو ان سے قریش کے لوگوں نے ملاقات کی اور کہا:

الحمد للّٰه الذی اعز نصرک واعلیٰ امرک.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آپ کی مدد کی اور آپ کا معاملہ بلند کر دیا۔

(البدایه والنهایة جلد۸ ص۱۳۲)

اہل تشیع نے بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور بیعت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد محمد بن عمر کشی لکھتے ہیں کہ:

حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مکتوب ارسال کیا کہ آپ اور آپ کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر احباب ہمارے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ہمراہ قیس بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ بھی روانہ ہوئے اور شام پہنچ گئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دی اور (اس مجلس میں) ان کے لیے کئی خطباء کا بھی انتظام کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین قم فبایع فقام فبایع ثم قال یا قیس قم فبایع